اردو اور فارسی کی چند کمیاب کتابیں
کتب خانہ دانش گاہ دہلی میں

(۵)

(جناب نثار احمد صاحب فاروقی ۔ دہلی)

مقدمہ سفرنامہ حکیم ناصر خسرو:
از الطاف حسین حالی

کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ وہ بعض عجیب باتیں اور تناسخ کے مسئلے بیان کرتا تھا اور اُس کی گفتگو علمائے زمانہ کی سمجھ سے بالاتر تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاص و عام کی طبیعت میں اس کی طرف سے وحشت پیدا ہوگئی اور وہ سب حکیم کے درپئے آزار ہوگئے۔ مجبوراً وہ خراسان سے نکل کر بلخ کی طرف گیا وہاں بھی ایسا ہی معاملہ پیش آیا۔ آخر کار کوہستانِ بدخشاں میں اُسے پناہ لینی پڑی۔ یہ بات غور کرنے سے کچھ ایسی مستبعد بھی نہیں معلوم ہوتی کیونکہ جو لوگ عقائدِ جمہور کے خلاف باتیں کہتے ہیں وہ ہمیشہ ہی ابتلا اور آزمائش کا سامنا کرتے ہیں۔ فقہائے زمانہ کے ہاتھوں کون سی جفا ایسی ہے جو نہ اُٹھائیں اور کون سی بلا ہے جو نہ جھیلیں۔

لیکن ان اسباب سے قطع نظر ایک اور سبب بھی ہے جس نے تمام اہلِ خراسان کو برہم کردیا۔ خاوند شاہ نے روضۃ الصفا میں، اور اس کا اتباع کرتے ہوئے صاحب حبیب السیر اور مصنفِ دبستان المذاہب نے لکھا ہے کہ

"امیر ناصر چوں از مصر مراجعت کرده باز بخراسان رسید مردم را بخلافت مستنصر و روشِ اسماعیلیہ دعوت می کرد۔ اعدا

امیر ناصر جب مصر سے واپسی میں دوبارہ خراسان پہنچا تو اس نے لوگوں میں مستنصر کی خلافت اور اسماعیلی مسلک کی دعوت

"قصدِ وے کردند. خوف وہراس بر وا ستیلا یافت و در جبلے از جبال بدخشاں پنہاں گشتہ بست سال بہ آب و گیاہ قناعت نمود"

شروع کردی. دشمن اس کی جان کے لاگو ہو گئے. اس پر خوف وہراس طاری ہوا اور بدخشاں کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ میں روپوش ہو گیا. وہاں بیس سال تک گھاس پھوس کھا کر گزارا کرتا رہا."

اگرچہ سفرنامے میں کوئی واضح دلیل اس معاملے میں نہیں ملتی لیکن جیسا کہ اوپر تذکرہ کیا گیا کہ اتنی بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ناصر خسرو مصر سے اپنے اہلِ وطن کے لئے اگر کچھ تحفہ لایا تو وہ علویہ مصر کی محبت ہی تھی خصوصاً مستنصر باللہ کی محبت سے اُس کا سینہ و دل لبریز تھا بہت سے طولانی قصیدے اس کی مدح میں نظم کئے اور اپنے سفرنامے میں اس کے عدل و انصاف کی بہت ہی زیادہ تعریف و توصیف کی ہے. اور جیسا کہ مذکورہ بالا قصیدے کے مضامین سے ظاہر ہوتا ہے، عین ممکن ہے کہ اس نے اسماعیلیوں کے فضائل کا پرچار اور اسماعیلی مسلک کی تبلیغ میں حصّہ بھی لیا ہو. اس نے ایک فخریہ قصیدے میں بھی اس مضمون کے چند اشعار لکھے ہیں. ایک جگہ کہتا ہے:

ازیرا نظیرم کسے در نیابد — کہ بر رائے آں رہبرے بے نظیرم
نہ بس فخرم آں کہ امام زماں را — سوئے عاقلانِ خراساں سفیرم

یہ ہو سکتا ہے کہ خراسان و ماوراءالنہر کے علماء جو خلفائے بغداد سے بے حد تعصب رکھتے تھے اور علویہ مصریہ کو خلافت کا غاصب، گمراہ، اور گمراہ کرنے والا سمجھتے تھے جب انھوں نے یہ نامانوس باتیں سنیں تو حکیم سے اُلجھ پڑے ہوں اور باشندگانِ ملک اور والیانِ عہد کو اُس کی مخالفت پر ابھارا ہو. حکیم نے بھی اپنے بعض اشعار میں اہلِ خراسان کی دشمنی کا سبب اپنی محبتِ اہلِ بیت کو بتایا ہے. ایک جگہ کہتا ہے:

گرچہ مرا اصل خراسانی است — از پسِ پیری و مہی و سری

دوستی عترت و خان رسول   کرد مرا یمگی و مازندری

حکیم کے دشمنوں کا سرغنہ خراسان کا ایک حنفی المذہب مفتی تھا اور دوسرا حاکم بلخ۔ کیونکہ اکثر اشعار میں حکیم کا روئے سخن انھیں کی طرف ہے۔ اور بہت سے قصائد جو اس نے اس سلسلے میں کہے ہیں اس پر دلالت کرتے ہیں کہ آخر عمر تک وہ اپنے وطن سے دوری اور اہلِ وطن کی ایذا رسانی کا شکوہ کرتا رہا اور دن رات فریاد و زاری کرتا تھا۔ اپنے بعض اشعار میں ولایتِ خراسان سے خطاب کرکے کہتا ہے۔ "اے خراسان اگر میرے بغیر تیرا حال مبارک اور میمون ہے، تو میرا حال تیرے بغیر خراب و خستہ ہے۔ مجھے وہ فرومایہ لوگ جو اپنی نمازوں میں تساہل کرتے ہیں اپنے گھروں سے نکال رہے ہیں۔ شاید انھیں فرومایہ لوگوں کی وجہ سے خداوند تعالیٰ نے اپنا قہر خراسان پر نازل کر رکھا ہے کہ چند اوباش جن کی حیثیت کچھ نہیں تھی آج وہاں "فلاں ابن فلاں" بن گئے ہیں۔ سچ ہے دنیا کافروں کی جنت اور مومنوں کے لئے قید خانہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ اے حاکم بلخ، تو آج بلخ میں بہشت کے مزے اٹھا رہا ہے اور میں یمگان میں قید پڑا ہوا ہوں۔ تو اپنی جہالت سے ملک میں فرعون بنا بیٹھا ہے اور میں اپنے علم کے سبب[1] قید خانہ میں ذوالنون کی طرح بڑا تکلیفیں جھیل رہا ہوں"۔

پھر ایک جگہ یوں کہتا ہے:

"اگر آج فلک میرا مخالف ہے تو کیا غم؟ کیونکہ یہ تو مدتوں میرا غلام رہ چکا ہے۔ اگر میرا جسم آج چمن سے دور ہے تو ہوا کرے میں" اپنے دلِ پُر حکمت کے ساتھ آج بھی چمن میں ہوں۔ مجھے بھوک میں صبر کر لینا اس بات سے زیادہ آسان ہے کہ فرومایہ جاہلوں سے اپنی روزی طلب کروں۔ اب میں نے یہ طے کر لیا ہے کہ مصائب اور گناہ کے اس گہرے کنویں، یعنی دنیا سے بلند ہو جاؤں

---

[1] ابو الطیب المتنبی اسی مضمون کو کیسے عمدہ پیرائے میں کہتا ہے:

ذُو العقلِ یَشقیٰ فی النَّعیم بِعَقْلِہٖ   وَاَخُو الجَہالَۃِ فی الشَّقاوَۃِ یَنعَمُ

(عقل والے اپنی آگہی کی وجہ سے نعمتوں میں رہ کر بھی کرب و صعوبت میں مبتلا رہتے ہیں، اور جاہل لوگ اپنی جہالت اور فقدان احساس (باقی حاشیہ ص ۱۸۰ پر)

اور بہشت عدن میں پہنچکر ایک ایسا مکان بناؤں جس کی ایک بنیاد نماز ہو اور دوسرا پایہ روزہ۔ کچھ دن پہلے تک میں سلاطین و ملوک کے درباروں میں دیکھا جاتا تھا لیکن اب گردشِ روزگار نے میری کایا ہی پلٹ دی ہے۔ گویا میں اب پہلے جیسا آب و گل کا انسان نہ رہا بلکہ کوئی دوسری مخلوق بن گیا ہوں۔ چونکہ آسمان نے مجھ سے ایسے کھیل کئے ہیں لہذا میرا دل اس کی جفاؤں سے پُر کینہ ہو گیا ہے اور میں ارادہ رکھتا ہوں کہ اپنا کینہ اس کے دل سے نکال دوں۔ امیدوار ہوں کہ مستنصر باللہ خدا کے واسطے مجھے ان "اولیائے شیاطین" کے مقابلے میں مدد دے گا اور میرا وہ پہلا بیلے فازمانہ پھر میرا غلام ہو کر لوٹ آئے گا اور کل دولت مستنصر کے اقبال سے میری مجلس "کنارِ جو زا" کے سوا کہیں نہ ہو گی"۔ اسی طرح کے دوسرے گلہ ہائے دردمندانہ اس کے کلام میں بہت ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مستنصر باللہ کی عقیدت اور اس کے محامد و فضائل کے بیان کرنے کا جو ذوق حکیم ناصر خسرو کو تھا وہ اس کی دنیا طلبی اور حُبِ جاہ پر غالب آچکا تھا۔ اس لئے کہ اگرچہ ایک دنیا اس کے خلاف کمر بستہ ہو کر قتل کرنے پر آمادہ ہو گئی تھی اُسے گھر بار سے نکال دیا تھا اور جو کچھ جاہ و اعتبار اسے سلطنت میں حاصل تھا وہ سب جاتا رہا تھا پھر بھی وہ آخری سانس تک اس ترانۂ دل کش سے خاموش نہ ہوا۔ گو اس کی زندگی میں اس جدوجہد کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا اور بظاہر وہ ناکام رہا لیکن اس کی وفات کے بعد جو آگ حسن بن صباح کی کوششوں سے ممالکِ خراسان میں بھڑکی اور نسو سال تک بجھائی نہ جاسکی وہ خاکسار کی نظر میں اسی خاموش سی چنگاری کا نتیجہ تھی جسے ناصر خسرو نے لوگوں کے دلوں کی خاکستر میں چھپا دیا تھا۔

بہر حال جب وطن والوں نے اس کی مخالفت کی تو خراسان سے بھاگ کر درہ یمگان میں

کی وجہ سے تکلیفوں میں بھی عیش کرتے ہیں"۔ ایران کا ایک جدید شاعر امیری فیروزکوہی کہتا ہے:۔

چگونہ مردم آگاہ شادماں باشند　　　　کہ شادمانی ہر کس بقدر غفلت اوست

عقل و آگہی اور روشنی طبع نے ہر دور میں باکمالوں کو مصائب کا ہدف بنا کر رکھا ہے۔ بقول بیدلؔ

"آخر بقدر سوختن است آبروے ما"　　　　(نثار احمد فاروقی)

پہنچا جو بدخشاں کے مضافات میں واقع ہے اور اسی کی نسبت سے وہ اپنے تئیں یُمگی کہتا ہے۔ پھر سالہائے دراز تک وہیں رہا۔ وہیں انتقال کیا اور اسی جگہ دفن کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نواح کے لوگ حکیم موصوف سے بے حد اعتقاد رکھتے ہیں اور اس کے مزار کی بہت تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ کچھ لوگ اسے "سُلطان" لکھتے ہیں، بعضے "شاہ" اور بعضے "امیر و حکیم"

اس کے مذہب کے بارے میں بھی مختلف خیالات نقل کئے گئے ہیں۔ رضا قلی خاں مجمع الفصحا میں اسے مذہبِ حق کا پیرو بتاتا ہے جو اس کے خیال میں "طریقہ اثنا عشریہ" ہے۔ مگر یہ محض خیالی و قیاسی بات ہے کیونکہ اس نے اپنے سفرنامہ میں جہاں بھی شیعوں کا تذکرہ کیا ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس طبقے سے بالکل بے گانہ ہے۔ ایک جگہ شام کے کچھ مواضع کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"قبر ابی ہریرہؓ آں جاست، بیرونِ شہر در جانب قبلہ۔ اما کسے آں جا بزیارت نتواند رفتن کہ مردم آں جا ہمہ شیعہ باشند و چوں کسے آں جا بزیارت رود کودکاں غوغا کنند و غلبہ بسر آں کس برند و زحمت دہند و سنگ اندازند ازیں سبب من نتوانستم زیارت آں کردن۔"

وہاں ابوہریرہؓ کی قبر ہے شہر سے باہر قبلہ کی طرف۔ لیکن کوئی اس کی زیارت کرنے کے لئے جا نہیں سکتا کیونکہ وہاں کی سب آبادی شیعہ ہے اور جب کوئی اس قبر کی زیارت کے لئے جاتا ہے تو بچے شور و غوغا مچاتے ہیں اور اُسے گھیر لیتے ہیں پھر تکلیفیں دیتے ہیں، پتھر مارتے ہیں اسی لئے میں اس کی زیارت نہ کر سکا۔"

چارلس شیفر نے اپنے فرانسیسی ترجمے میں حکیم کے چند اشعار جن میں حشر جسمانی سے انکار پایا جاتا ہے اور اس کا جواب محقق طوسی کی طرف سے نقل کیا ہے۔ اور محقق طوسی نے جواب میں جو کچھ لکھا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ حکیم ناصر کو مومنین صادقین میں سے نہیں سمجھتا۔ وہ اشعار یہ ہیں:

(ناصر خسرو) مرد کے را بدشت گرگ درید — زو بخوردند کرگس و زاغاں

ایں یکے رید بر سرِ کوہسار — واں دگر رید در بنِ چاہاں

این چنیں کس بحشر زندہ شود — تیز در ریش مردکِ ناداں

(محقق طوسی) این چنیں کس بحشر زندہ شود — گر نماید عنصرش جو جو

زادلیں بازنیست مشکل تر — تیز در ریشِ ناصر خسرو

لیکن اتنی بات قابلِ تسلیم ہے کہ اس کا بیٹا خواجہ معین الدین شیعہ تھا، جیسا کہ قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین میں لکھا ہے۔ کیونکہ وہ ملک شاہ سلجوقی کے دربار میں ملازم تھا اس نے تقیہ نہیں کیا اور علانیہ طریقے سے مسلک اثنا عشری کی پیروی کرتا رہا۔ لیکن قاضی شوستری نے جو کسی حکیم اور صوفی کو اپنی "مجالس المومنین" میں تشیع کا خلعت بخشنے سے نہیں چوکتا وہ بھی ناصر خسرو کے بارے میں خاموش ہے۔ دولت شاہ سمرقندی کہتا ہے:

"ناصر خسرو را بعضے عارف و موحد و بعضے دہری و طبیعی گفتہ اند و گویند قائل بود بہ تناسخ۔ و نیز می گوید کہ بہ صحبت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ رسیدہ مدتہا بہ ریاضت و تصفیۂ باطن مشغول بود۔"

کچھ لوگ ناصر خسرو کو عارف و موحد کہتے ہیں اور بعضوں نے دہریہ اور نیچری کہا ہے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ آواگون (تناسخ) کا قائل تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کی صحبت میں رہ کر مدتوں تک ریاضت کی تھی اور باطن کی تربیت میں مشغول رہا تھا۔"

لیکن ان باتوں میں سے ایک بھی قابلِ قبول نہیں ہو جب تک کوئی معتبر سند موجود نہ ہو۔ صاحب روضۃ الصفا اور حبیب السیر اسے فرقۂ اسماعیلیہ میں شمار کرتے ہیں۔ اور دبستان المذاہب کا مصنف اس نسبت کے باوجود اس کی مدح و ستائش کرتا ہے۔ اور امور شرعی کا بے حد پابند بتاتا ہے۔ واقع یہ ہو کہ سفر مغرب سے مراجعت کے وقت تک وہ جمہور اہلِ سنت کے طریقہ کا پیرو تھا۔ اور سفرنامہ کی اکثر عبارتیں اس پر شاہد ہیں۔ جناب عائشہ صدیقہؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا نام وہ بہتیوں کے سے آداب کے ساتھ لیتا ہے اور حج بیت اللہ کے تمام مناسک بھی طریقۂ اہلِ سنت و جماعت کے مطابق بیان

کئے ہیں۔ اور میں نے اس کے بعض اشعار میں دیکھا ہے کہ حضرت صدیق و فاروق و ذی النورین کے صدق، عدل اور حیا کی تعریف کرتا ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ تین سال تک مصر میں رہ کر اور اسماعیلی لوگوں سے معاشرتی تعلقات قائم کر کے اس کے افکار و خیالات میں انقلاب عظیم پیدا ہو گیا اور کچھ نہیں تو اتنا یقیناً تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ اسماعیلی مسلک کو برا نہیں سمجھتا تھا اور خلافتِ عباسیہ کے مقابلے میں فاطمیوں کی خلافت کو استحقاق سے نزدیک تر سمجھتا تھا۔ اور خلافت علی مرتضیٰ کو خلفائے ثلاثہ پر ترجیح دیتا تھا اور ائمہ اہلِ بیت کو علم باطن کا سرچشمہ اور اسرار شریعت کا خازن جانتا تھا اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی کے مسلک کا پیرو کار نہ تھا۔ اس نے تقلید اور مقلدین پر اپنے اشعار میں جا بجا نکتہ چینی کی ہے۔ اس کے علاوہ بعض ایسے معتقدات بھی اس کے کلام سے مستفاد ہوتے ہیں جو اسماعیلیوں کے لئے مخصوص ہیں مثلاً قول "بہ نفس کلی" جسے اسماعیلی مصدر کائنات سمجھتے ہیں اور اس معاملے میں تمام اسلامی فرقوں سے الگ ہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ عقیدہ ان کے چند بنیادی عقائد میں سے ایک ہے۔ ناصر خسرو اس معاملے میں یوں کہتا ہے:

ترا نفس کلی چو بشناسی اورا — نگہ دارد از جہل و عصیان و نسیان
کل از نفس کل یافتست آں عنایت — کہ تو خوش منش گشتہ زان و شادان
زر و سیم و گوہر شد ارکان عالم — چو پیوستہ شد نفس کلی با ارکان

اور بھی بہت سی چیزیں اس قبیل کی اس کے دیوان سے مل سکتی ہیں۔ لیکن جیسا کہ اہلِ خراسان کا گمان تھا وہ اسلام کے شعائر سے برگشتہ نہیں ہوا تھا اور اسلام کے مہماتِ عقائد، توحید، رسالت اور قیامت کے ایمان پر آخری سانس تک ثابت قدم رہا۔ چنانچہ کہتا ہے:

بنالم بتو اے قدیم قدیر — ز اہلِ خراساں صغیر و کبیر
چہ کردم کہ از من رمیدہ شدند — ہمیں خویش و بیگانہ بر خیر خیر
مقرم بفرمان پیغمبر است — نہ انباز گفتم ترا نے نظیر
بامت رسانید پیغام تو — محمد رسولت بشیر و نذیر

نیاورد قرآں بہ پیغمبرت — مگر جبرئیل آں مبارک سفیر

مقرم بمرگ و بحشر و حساب — کتابت زبر دارم اندر ضمیر

یہ ان تمام باتوں کا خلاصہ ہے جو حکیم کے کلام اور سفرنامے سے اس کے مذہب و عقائد کے بارے میں معلوم ہوتی ہیں۔

مثنوی مظہر العجائب میں جو حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ سے منسوب ہے حکیم کے فضائل و مقامات اس طرح لکھے گئے ہیں کہ اُسے زمرۂ عارفین و واصلین میں شمار کرنا چاہیے لیکن تذکرۃ الاولیاء میں جو حضرت شیخ عطارؒ کی معتبر تصنیف ہے حکیم موصوف کا تذکرہ قطعاً نہیں ملتا اس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا مثنوی ان کی تصنیف نہیں اور ملحقات میں شمار کرنا چاہیے۔ کیونکہ ناصر خسرو کے معتقدین نے اس قسم کی بہت سی باتیں اس کے لئے گھڑلی ہیں۔ زکریا ابن محمود قزوینی نے اپنے جغرافیہ میں جس کا نام "آثار البلاد و اخبار العباد" ہے حکیم ناصر خسرو کے بارے میں یوں لکھا ہے:۔

"دُر عہد حکومت حسام الدین ابو المویدا بن نعمان حاکم بلخ، چوں مردم ازو منحرف شدند بجانب یمکان شتافت و دراں جا بنیروے دستگاہے کہ در علوم غریبہ و تسخیر روحانیات داشت قلعہاۓ منیع و ایوان ہاۓ رفیع برپا کرد۔"

حسام الدین ابو المویدا بن نعمان حاکم بلخ کے عہد میں جب لوگ اس کے مخالف ہو گئے تو وہ یمکان چلا آیا اور وہاں اپنی روحانیت اور "علوم غریبہ" کے زور سے بڑے عالی شان قلعے اور فلک بوس عمارتیں بنالیں۔"

اسی طرح ایک ندامت نامہ حکیم سے موسوم کر دیا گیا ہے۔ حاجی لطف علی خاں آذر جامع آتش کدۂ آذر اور بعض دوسرے تذکرہ نگاروں نے از اوّل تا آخر نقل کیا ہے۔ حکیم کے ترجمے میں ایسی بہت سی باتیں تذکرہ نگاروں نے نقل کر دی ہیں جو بے سروپا اور ہوائی ہیں انھیں عقل و عادت اور تاریخ و جغرافیہ سے بھی کچھ مطابقت نہیں اور خود حکیم کے اقوال سے بھی متناقض ہیں۔

(باقی)